اسلامی ریاست میں مذہبی رواداری کا تصور

تحقیق :ڈاکٹر طاہر رضا بخاری' ڈائریکٹر مذہبی امور' اوقاف پنجاب

دین اسلام میں دشمنی' انتقام اور برائی کے بدلے میں برائی کو اللہ تعالیٰ نے سخت ناپسند فرمایا ہے اور اگر انسانی فطرت بدلہ لینے پر مجبور بھی کرے تو بھی حد سے تجاوز اور برائے سے زیادہ برائی کی قطعاً ممانعت کی گئی ہے۔ اور عفوودرگزر اور رواداری کو اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ رواداری ایک ایسی محمود صفت ہے کہ اسے اختیار کرنے سے گری ہوئی پست بات اور پست عمل سرزد نہیں ہوتا۔ دشمن کے ساتھ سلوک میں عالی ظرفی' بلند حوصلگی' فراخدلی' خیر خواہی اور درگزر کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ کمینگی' دھوکہ دہی اور فریب کو اس میں دخل نہیں ہوتا۔ انسان کسی بری سے بری حرکت کو بھی مردانہ وار برداشت کر کے ٹال دیتا ہے اور اپنے مرتبہ مردانگی سے فروتر سمجھتے ہوئے اس کا نوٹس نہیں لیتا بلکہ احسان' نیکی اور بھلائی کی راہ اختیار کرتا ہے۔

اسی رواداری اور مروت کی صفت کی بدولت اسلام کافروں اور مشرکوں کے ساتھ کسی طرح کی زیادتی کی اجازت نہیں دیتا بلکہ باطل معبودان کو بھی برا بھلا کہنے سے منع کرتا ہے۔ اس کی رواداری کا یہ عالم ہے کہ :

"وَلَاتَسُبُّواالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوااللّٰہَ عَدْوًا بغَیْرِعِلْم"(۱)

"اور تم ان کے معبودوں کو جن کو وہ خدا کے سوا پکارتے ہیں برانہ کہو کہ وہ سرکشی سے بے سمجھے اللہ کو برا کہیں گے۔"

رواداری کو ایک کامل اصول اور مکمل دستور کے طور پر اسلام نے دنیا کے سامنے مضبوط بنیاد کے ساتھ پیش کیا اور اس اعلان کے بعد کہ نبی مکرم ﷺ سے لے کر آدمؑ تک تمام پیغمبر ایک ہی شریعت سے منسلک رہے۔ اور ان تمام الہامی مذاہب کی اصل اور حقیقت ایک ہی ہے تو پھر یہ انتشار' دوری' بعد اور عدم رواداری کا کوئی جواز نہیں۔ ارشاد ربانی ہے :

"شَرَعَ لَکُمْ مِنَ الدِّیْنِ مَاوَصّٰی بِہٖ نُوْحًاوَّالَّذِیْ اَوْحَیْنَااِلَیْکَ وَمَاوَصَّیْنَابِہٖ اِبْرَاھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰی اَنْ اَقِیْمُوالدِّیْنَ وَلَاتَتَفَرَّقُوْافِیْہِ"(۲)

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا اور جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا کہ اس دین کو قائم

رکھو اور اس میں تفرقہ مت ڈالو“

اسلام نے مذہبی رواداری کو ایک مکمل ضابطے میں ڈھال کر جبر و اکراہ کی نفی کرتے ہوئے یہ اصول وضع کر دیا کہ مذہب اور عقیدے کے معاملے میں انسان کاملاً اپنی مرضی کا مالک ہے۔ تلوار کی نوک یا جبر و استبداد کے سائے میں مذہب کے پرچار کی مکمل نفی ۔اس اصول کو تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ اسلام نے یوں پیش کیا:

”لَااِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْتَبَيَّنَ الرُّشْدُمِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْبِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِاسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَاانْفِصَامَ لَهَاوَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ“(۳)

”دین میں کوئی زبردستی نہیں گمراہی سے ہدایت الگ ظاہر ہو چکی ہے ۔پس جو جھوٹے معبودوں کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے مضبوط رسی پکڑلی جو ٹوٹنے والی نہیں اور وہ سب کچھ سنتا ہے اور جانتا ہے“

یعنی اب یہ جبر و اکراہ کا نہیں بلکہ محبت اور مروت کا معاملہ ہے۔ دین اور مذہب کو اکتاہٹ سے نکال کر اپنائیت اور الفت کے راستے پر گامزن کر دیا اور پھر یہ دائرہ اخوت و محبت کسی خاص گروہ یا طبقے تک محدود نہیں بلکہ اس کی الفتیں ”عالمین“ کے لئے ہیں جس میں زمان و مکان کی کوئی قید نہیں۔اور ساری کی ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے جس کی بابت حکم ہے :

”الخلق کلھم عیال اللہ فاحبھم الی اللہ انفعھم لعیالہ“(۴)

”ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور اس کے نزدیک سب سے پسندیدہ شخص وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ نیکی کرے“

مذکورہ فرمان سے یہ تصور اجاگر ہوا کہ اسلام کے نظام اخلاقیات کی بنیاد انسانی آفاقی اور کائناتی اصولوں پر ہے کہ کوئی انسان خواہ وہ جس بھی گروہ قبیلے اور خطے سے متعلق ہے نیکی اور بھلائی کا مستحق ہے۔اسی نیکی اور حسن معاشرت ہی کو اسلام اپنے تصور عدل و احسان میں بھی ملحوظ رکھتا ہے۔

مذکورہ بالا احکام سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اسلام ایک خوبصورت اور روادارانہ معاشرے کے قیام کیلئے جو بنیادیں فراہم کرتا ہے اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ تمام مخلوق خدا کا کنبہ اور اس حوالے سے حسن سلوک اور محبت کا مستحق ہے۔انسانی وحدت کے اس بنیادی نقطے کی مضبوطی کے بعد دوسری چیز یہ ہے کہ اس کائنات میں انسان کی سب سے پہلی اور بڑی ضرورت مذہب ہے۔مذہب کے بغیر انسانی زندگی ویران اور بنجر ہے۔اس کے بغیر نہ زندگی میں رعنائی ہے

اور نہ فکر میں گہرائی۔ تو اب گمان یہ تھا کہ انسان مذہب کی بنیاد پر الگ دائرے کھینچ کر معاشرہ میں تفریق اور دوری پیدا کر سکتا ہے۔ تو اس مسئلے کا حل اس حکم کے ساتھ یوں کر دیا گیا کہ احکام خداوندی اور شریعت الٰہی جس بھی صورت اور جس بھی زمانے میں نازل ہوئے یہ تمام اس خالق حقیقی کے نازل کردہ ہیں۔ اور تمام انبیاء و مرسلین اسی پیغام توحید کو دنیا میں عام کرنے کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ یہی وہ سب سے موثر اور مضبوط فکر ہے جس کی بنیاد پر نبی مکرم ﷺ نے یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ پہلی اسلامی ریاست کے قیام کے فوراً بعد اشتراک اور باہمی تعلقات کو استوار کیا اور عرب کے معاشرے کے دیگر گروہوں کے ساتھ حسن سلوک، برداشت، ضبط اور حوصلے کے ساتھ ایسے معاملات اور امور سرانجام دیئے جو ایک طرف رواداری کی خوبصورت مثال ہے تو دوسری طرف حسن معاملہ اور برداشت کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

ہجرت کے چھٹے سال حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں اور کفار کے درمیان جو معاہدہ طے پایا اس کی شرائط اور جزئیات تو رہیں ایک طرف۔ اس کی کتابت کے وقت نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ لکھو "بسم اللہ الرحمن الرحیم" اس پر سہیل نے کہا کہ ہم رحمٰن کو نہیں مانتے بلکہ لکھو "باسمک اللھم" امن اور رواداری کے اس پیغمبر اعظم نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ان کی تجویز کے مطابق ہی لکھ دو۔ چنانچہ "باسمک اللھم" ہی لکھا گیا۔ اسی طرح "ھذا ما اصطلح علیہ محمد رسول اللہ" یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی ہے۔ پر سہیل جو کہ کفار کا نمائندہ تھا پھر بھڑک اٹھا اور کہنے لگا کہ یہی تو سارا جھگڑا ہے اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مان لیں تو جھگڑا ہی کس بات کا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ :

"انا محمد بن عبداللہ فاکتب"(۵)

"آپ یہی لفظ لکھیں کہ "میں محمد بن عبداللہ ہوں"

رواداری اور برداشت کا یہ عظیم منظر انسانی تاریخ میں سیرت طیبہ کے علاوہ کہیں اور میسر نہ آسکے گا۔ اسی حوالے سے اس صلح نامہ کا مضمون ملاحظہ فرمائیں :

"باسمک اللھم ھذا ما اصطلح علیہ محمد بن عبداللہ وسھیل بن عمرو اصطلحا علی وضع الحرب عشر سنین یامن فیھا الناس ویکف بعضھم عن بعض، علی انہ لا اسلال ولا اغلال۔ وان بیننا عیبۃ مکفوفۃ وانہ من احب ان یدخل فی عھد محمد وعقدہ فعل وانہ من احب ان یدخل فی عھد قریش

وعقدھافعل وانه من اتی محمدًا منھم بغیر اذن ولیه ردہ محمد الیه وانه من اتی قریشاً من اصحاب محمد لم یردوہ"(٦)

"اللہ کے نام سے ۔یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو نے صلح کی ہے۔ انہوں نے اس بات پر صلح کی ہے کہ دس سال تک فریقین میں جنگ نہیں ہو گی۔لوگ امن سے رہیں گے اور کوئی کسی دوسرے پر دست درازی نہیں کرے گا۔کوئی چوری اور خیانت کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ہم ایک دوسرے کے رازافشا نہیں کریں گے اور جس قبیلہ کی مرضی ہو وہ محمد (ﷺ) کے ساتھ معاہدہ کرے اور جس کی مرضی ہو وہ قریش کے ساتھ معاہدہ کر لے۔مکہ والوں میں سے جو شخص اپنے ولی کے اذن کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس آئے گا تو آپ اسے واپس کر دیں گے اور اگر حضور کے اصحاب سے کوئی آدمی قریش کے پاس آئے گا وہ واپس نہیں کریں گے"

کیا تاریخ کے ان حقائق سے دنیا آگاہ نہیں کہ اس معاہدے کے بعد جب قبیلوں اور گروہوں کو آزادی میسر آئی کہ وہ جس فریق کے ساتھ چاہیں دوستی کر لیں تو سب سے پہلے بنو خزاعہ نے نبی مکرم ﷺ کے ساتھ اپنی دوستی کا اعلان کیا تھا۔

"نحن ندخل فی عھدمحمدوعقدہ"

مغربی دنیا آج مسلمانوں کو ایک متشددانہ نظریات وتصورات کی حامل قوم کے طور پر متعارف کروانے کیلئے سارا زور صرف کر رہی ہے۔حالانکہ انسانی تاریخ میں رواداری اور دوسروں کو برداشت کرنے کا سبق اس کائنات میں سب سے پہلے جس نے دیاوہ سرکار مدینہ ﷺ کی ذات والا صفات ہے۔وگرنہ اس سے قبل تو دنیا اس کی حقیقت ہی سے ناآشنا تھی۔آپ ﷺ نے مدینۃ المنورہ تشریف آوری کے بعد تمام یہودی قبائل کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کئے اور دیگر قبائل کے ساتھ دوستی کے معاہدے کئے جن کی چند اہم دفعات درج ذیل تھیں :

۱۔ اس معاہدے میں شرکت کرنے والے ہر فریق کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی۔

۲۔ ہر فرقہ اپنے مذہبی شعائر کسی روک ٹوک کے بغیر ادا کر سکے گا۔

۳۔ ہر فرقہ کی عبادت گاہوں کا تحفظ کیا جائے گا۔

۴۔ ایک دوسرے سے دھوکہ ،ظلم اور غدر نہیں کریں گے۔(۷)

مذکورہ بالا دفعات ایک خوبصورت اور اعلی معاشرے کی وہ اہم بنیادیں ہیں جن کی ہر دور میں ضرورت ،اہمیت اور افادیت موجود رہتی ہے اور شاید عصر حاضر میں جبکہ لوگ مذہبی

تعصبات اور مسلکی تفرقوں سے عاجز آچکے ہیں اور نت نئے کمیشن ان مسائل کے حل کیلئے دنیا میں قائم ہو رہے ہیں۔ یہ رہنما اور زریں اصول آج بھی اتنے ہی موثر اور معتبر ہیں جتنے کہ چودہ سو سال قبل۔ پیغمبر امن و رواداری نے اس سلسلے میں جو اعلیٰ نمونے چھوڑے ہیں وہ قیامت تک دنیا کو دعوت فکر دیتے رہے گے۔ ریاست مدینہ میں ایک شادی شدہ یہودی نے ایک شادی شدہ یہودن سے زنا کیا۔ جرم کے متعلق فیصلہ کیلئے یہودی علماء کا اجلاس ہوا جس میں انہوں نے طے کیا کہ یہ معاملہ نبی مکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا جائے تاکہ آپ ﷺ اس کا فیصلہ فرمائیں۔ ملزمان کو آپ کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ نبی مکرم ﷺ مسجد نبوی سے اٹھے اہل یہود اور ان ملزمان سمیت از خود ان کی درسگاہ جہاں تورات کا درس ہوا کرتا تھا تشریف لے گئے اور توارت کے مطابق فیصلہ صادر فرمایا۔(۸)

اختیارات اور طاقت کے باوجود یہود اور دیگر قبائل کو ان کے مذہب اور رسم و رواج کے مطابق زندگی بسر کرنے کیلئے جملہ مکمل آزادانہ ماحول فراہم کرنا یہ اس پہلی ریاست کا عظیم کارنامہ ہے۔ یہ تو تھا دوسروں کے مقام مقدسہ پر جاکر رسول رحمت ﷺ کا دستور مبارک۔ اب دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی غیر مسلم اور غیر مذہب مسلمانوں کے مقام مقدسہ پر آجائے تو اسلام اور سیرت طیبہ سے ہمیں کیا رہنمائی میسر آتی ہے۔

۹۔ ہجری کو فتح مکہ کے بعد نجران کے عیسائیوں کا وفد جو کہ ان کے ساٹھ جید افراد پر مشتمل تھا شان و شوکت کے ساتھ مدینہ منورہ میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ ﷺ عصر کی نماز ادا فرما رہے تھے۔ اس وفد نے مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہو کر مشرق کی طرف منہ کر کے اپنے مذہبی طریقے کے مطابق نماز ادا کرنی شروع کر دی۔ بعض صحابہ ان کے اس عمل پر برہم ہو کر ان کو روکنے کیلئے دوڑے لیکن نبی محتشم ﷺ نے صحابہ کو روک دیا۔ چنانچہ عیسائیوں نے مسجد نبوی میں مکمل سکون کے ساتھ اپنے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی اور ازاں بعد بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر سلام پیش کیا۔(۹)

تصورات سے آگے بڑھیں۔ معاملہ صرف یہیں تک ہی نہیں بلکہ اس سے بھی خوبصورت مثال ملاحظہ فرمائیں :

حضرت ابو قتادہ روایت کرتے ہیں کہ حبشہ سے نجاشی کی طرف سے ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو نبی اکرم ﷺ بنفس نفیس ان کی خاطر مدارت اور تواضع میں مصروف

ہو گئے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کے غلام ان کی خاطر مدارت کیلئے حاضر ہیں۔ آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

"انھم کانوا لاصحابنا مکرمین وانی احب ان اکافئھم" (۱۰)

"میرے صحابہ جب وہاں گئے تو ان لوگوں نے ان کی بڑی عزت کی۔ اب میں چاہتا ہوں کہ میں ان کی خود خاطر مدارت کر کے ان کو صلہ دوں"

انسانی ہمدردی اور اس کے تقاضوں کا یہ عالم کہ حالت جنگ میں سپاہیوں کو حکم ہے کہ :

"فقد کان النبی ﷺ یوصی بالا یقوم الجیش باتلاف زرع اوقطع شجر اوقتل الضعاف من الذریة والنساء والرجال الذین لیس لھم رای فی الحرب ولم یشترکوا فیه بای نوع" (۱۱)

"نبی کریم ﷺ اپنے لشکر کو وصیت فرمایا کرتے کہ وہ سر سبز کھیتوں کو برباد نہ کریں۔ درختوں کو نہ کاٹیں۔ کمزور بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کریں۔ ان مردوں کو بھی قتل نہ کریں جو جنگ کے سلسلے میں کوئی رائے نہیں دیتے اور کسی طرح جنگ میں شرکت نہیں کرتے۔"

مغرب والے مسلمانوں کے نظام ریاست پر ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ وہ اپنی ریاست میں بسنے والے غیر مسلموں سے جزیہ وصول کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم اسلامی ریاست کے باشندوں کی تقسیم یوں کر سکتے ہیں :

۱۔ ریاست کی مسلمان آبادی

۲۔ ریاست کی غیر مسلم آبادی

غیر مسلم آبادی کی مزید دو قسمیں ہیں :

۱۔ جنگ کے بغیر صلح کر کے شہریت حاصل کرلی۔

۲۔ جنگ میں شکست کھانے کے بعد سکونت اختیار کی۔

اسلامی ریاست مذکورہ بالا تمام طبقات کی جان و مال اور آبرو کی محافظ ہے اور حضور نبی مکرم ﷺ نے اپنے تاریخی خطبے میں اعلان فرمایا تھا :

"فان دماکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام کحرمة یومکم ھذا فی بلدکم ھذا فی شھرکم ھذا" (۱۲)

"اچھا تو سنو کہ تمہارا خون، تمارا مال اور تمہاری آبرو ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہے جیسے

تمہارے اس شہر اور تمہارے اس مہینے میں تمہارے آج کے دن کی حرمت ہے"

اب دیکھتے ہیں غیر مسلم رعایا کے بارے میں حضور ﷺ کے کیا فرامین ہیں :

اسلامی ریاست میں مسلم شہری اور غیر مسلم شہری یعنی ذمی فوجداری اور دیوانی قوانین میں برابر ہیں یعنی مسلمان کسی ذمی کو قتل کردے تو اس کا پورا قصاص لیا جائے گا۔

ایک مسلمان نے ذمی کو قتل کیا تو قاتل کو نبی مکرم ﷺ کے دور میں قصاص میں قتل کردیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا :

"اناا حق من وفی بذمته"(۱۳)

"کہ میں سب سے زیادہ اس بات کا ذمہ دار ہوں کہ اپنی ذمہ داری کو پورا کروں"

حضرت عبدالرحمٰن بن ارقمؓ کو جو جزیہ کی وصولی کیلئے مقرر ہوئے رخصت کرتے وقت حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

"فقال الامن ظلم معاهدااوکلفه فوق طاقته اونتقصه او اخذمنه شیا بغیرطیب نفسه فاناحجیجه یوم القیامة"(۱۴)

"اے عبداللہ کان کھول کر میری بات سن جس نے بھی کسی معاہد یعنی اہل ذمہ پر ظلم کیا یا اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دی یا اسے نقصان پہنچایا' یا اس کی رضامندی کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو قیامت کے روز میں اس کا گریبان پکڑوں گا"

اور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان اس سے بھی زیادہ جامع اور زوردار ہے۔ حضرت نافع حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں :

"کان اخرماتکلم به النبی ﷺ ان قال احفظونی فی ذمتی"(۱۵)

"نبی اکرم ﷺ نے اس دنیا سے تشریف لے جاتے ہوئے آخری بات جو فرمائی وہ یہ تھی کہ میں نے جن لوگوں کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی ہے اس کی لاج رکھنا' اس پر آنچ نہ آنے دینا"

اسلامی ریاست میں غیر مسلم رعایا کو یہ حقوق اس وقت عطا ہو رہے ہیں جب ابھی دنیا حقوق و فرائض کی تقسیم ہی سے آگاہ نہ تھی۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی دنیا کی کوئی سوسائٹی دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ رواداری کی یہ خوبصورت مثالیں پیش کر سکتی ہے۔ اسلامی تاریخ زمانہ نبوی کے بعد خلافت راشدہ کے دور میں داخل ہوتی ہے۔ دنیا کا عظیم فرمانروا خلیفہ دوم

حضرت عمرؓ زخموں کی شدت سے چور ہیں' زندگی کی ان آخری ساعتوں میں آپ کی گفتگو ملاحظہ ہو جس کو قاضی امام ابو یوسفؒ نے نقل کیا ہے :

"اوصی الخلیفۃ من بعدی بذمۃ رسول اللہ ﷺ ان یوفی لھم بعھدھم وان یقاتل من وراء ھم ولا یکلفوا فوق طاقتھم "(۱۶)

"میں اپنے بعد خلافت کے منصب پر فائز ہونے والے کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے وصیت کرتا ہوں کہ اہل ذمہ کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا ہے اس کو وہ پورا کرے۔ اگر ان پر کوئی بیرونی یا اندرونی دشمن حملہ آور ہو تو اپنی فوجوں سے ان کا دفاع کرے اور ان پر کوئی ایسا بوجھ نہ ڈالے جس کے اٹھانے کی ان میں طاقت نہ ہو"

یہ اعتراض کہ غیر مسلموں سے ٹیکس وصول کیا جاتا ہے تو اسلامی ریاست میں مسلمان رعایا "زکوٰۃ و عشر" کے نام سے حسب نصاب بیت المال میں پیسے جمع کرواتے ہیں اسی طرح اہل ذمہ بیت المال میں "جزیہ" جمع کرواتے ہیں۔ اس میں نہ تو کوئی تفریق ہے اور نہ ہی کوئی امتیاز۔ یہ واویلا کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں یا ذمیوں پر ظلم و زیادتی کی جاتی ہے تعصب اور جہالت کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔ درحقیقت مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں میں وہاں کے باشندوں کو ایسی مذہبی آزادی حاصل ہوئی جو لوگوں کو پہلے کبھی میسر ہی نہ تھی اور بلاذری کے مطابق اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں لوگ اب بالکل آزاد تھے۔ اگر ان پر چند پابندیاں عائد تھیں تو ان کا مقصد فقط یہ تھا کہ مقابل مذاہب کے پیروؤں کی باہمی کشمکش کا انسداد ہو سکے۔ یا اس مذہبی جنون اور تعصب کو روکا جائے جو مسلمانوں کیلئے ناپسندیدہ تھا اور جس سے مذہبی رسوم کی کھوکھلی نمائش کو شہ ملتی ہے۔ اس قسم کی مذہبی آزادی ساتویں صدی کے زمانے میں ایک عجوبہ تھی اور اس کی وسعت کا اندازہ ان شرائط سے ہو سکتا ہے جن کو اسلام نے بلاد مفتوحہ کے حق میں منظور کیا۔ ان شرائط کا خلاصہ یہ تھا کہ اطاعت گزاری اور جذبہ کی ادائیگی کے عوض مسلم حکام رعایا کے جان و مال کی حفاظت کریں گے اور انہیں مذہبی آزادی دیں گے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے بیت المقدس آمد کے موقع پر خلیفہ وقت اور وہاں کے مقامی باشندوں کے درمیان جو معاملات طے پائے اس کی چند شرائط درج ذیل تھیں :

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ھذا ما اعطی عبداللہ عمر امیر المؤمنین اھل ایلیاء من الامان اعطاھم امانا لانفسھم واموالھم ولکنائسھم وصلبانھم وسقیمھا

وبرئیھاوسائرملتھاانہ لاتسکن کنائسھم ولاتھدم ولاینتقص منھاولامن حیزھاولامن صلیبھم ولامن شئی من اموالھم ولایکرھون علی دینھم ولا یضاراحدمنھم"

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے عمر امیر المؤمنین نے ایلیاء والوں کو عطا کی۔ یہ امان ان کی جان ومال اور ان کے کنیسوں اور صلیبوں کیلئے ہے۔ ان کی ساری ملت ' چاہے وہ بیمار ہوں یا تندرست سب شامل ہیں۔ ان کی عبادت گاہوں میں سکونت اختیار نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ان کو گرایا جائے گا۔ ان کے کنیسوں' ان کے ملحقات' ان کی صلیبوں اور ان کی جائیدادوں میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جائے گی۔ دین کے بارے میں ان پر جبر واکراہ نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان میں کسی کو آزار پہنچایا جائے گا۔

بیت المقدس کے باشندوں پر جو ٹیکس یعنی محصول لگایا گیا اس کی شرح یہ تھی :

پانچ دینار دولت مندوں پر' چار دینار متوسط الحال لوگوں پر اور تین دینار کم استطاعت لوگوں پر۔ بطریرک کے ہمراہ حضرت عمرؓ نے مقامات مقدسہ کی زیارت کی' اور روایت ہے کہ جب وہ دونوں کنیسۃ القیامت میں تھے تو نماز کا وقت ہو گیا۔ بطریرک نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ کلیسا ہی میں نماز پڑھ لیں لیکن امیر المؤمنین نے دور اندیشی سے کام لے کر انکار کر دیا اور کہا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو ہو سکتا ہے کہ اہل اسلام آئندہ دعویٰ کریں کہ یہ ایک اسلامی معبد ہے (۱۷)

اہل حیرہ سے حضرت خالد بن ولید کے صلح کے معاہدہ کا مضمون درج ذیل تھا :

"ھذاکتاب من خالدبن ولیدلصلوبابن نطوناوقومہ انی عاھدتکم علی الجزیۃ والمنعۃفان منعناکم فلناالجزیۃ والافلاحتی نمنعکم"(۱۸)

"یہ مکتوب ہے خالد بن ولید کی طرف سے صلوبا بن نطونا اور اس کی قوم کے نام۔ میں تم سے معاہدہ کرتا ہوں جزیہ اور دفاع پر۔ اگر ہم تمہارا دفاع کریں تو ہم جزیہ لینے کے حقدار ہیں' اور اگر ہم تمہارا دفاع نہ کریں تو ہمیں جزیہ لینے کا حق نہیں پہنچتا۔ یہاں تک کہ ہم تمہارا دفاع کریں"

اس معاہدہ سے بھی یہ بات واضح ہو گئی کہ دشمن کا مقابلہ کرنا اور ان کے حملہ کو پسپا کر کے حفاظت کرنا صرف مسلم افواج کی ذمہ داری ہو گی۔ اہل ذمہ پر مسلمانوں کے ساتھ مل کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی ذمہ داری نہ ہو گی۔ بلکہ ذمیوں کے دشمنوں سے مقابلہ کرنا بھی مسلم افواج کی ذمہ داری ہے۔

امام ابو یوسف "کتاب الخراج" میں لکھتے ہیں :

"علی ان یقاتلوامن ناواھم من عدوھم ویذبواعنھم فادوالجزیۃالیھم علی ھذاالشرط۔۔۔فافتتحت الشام کلھاعلی ھذا"(۱۹)

"کہ مسلمان ان دشمنوں کا مقابلہ کریں گے جو اہل ذمہ پر حملہ آور ہوں گے۔ اور ان سے ان کا دفاع کریں گے۔ اس شرط پر وہ انہیں جزیہ ادا کریں گے۔ چنانچہ اس شرط پر شام کا سارا ملک فتح ہو گیا"

علامہ ابن اسید الاندلسی "المقدمات" میں لکھتے ہیں کہ اس معمولی رقم کے عوض مسلمانوں نے ان کو امن دیا ان کو ان کی دینی اور مذہبی روایات کے مطابق مکمل تحفظ فراہم کیا۔ جس کے سبب وہ لوگ مکمل یکسوئی اور اطمینان کے ساتھ کاروبار حیات میں مصروف رہے۔

بحث مذکورہ سے یہ بات واضح ہو گی کہ اہل ذمہ سے یہ معمولی رقم جزیہ کے تحت وصول کی جاتی ہے اور جب کبھی مسلمانوں نے یہ محسوس کیا کہ وہ ذمیوں کے حقوق اور جان و مال کے تحفظ کی استطاعت نہیں رکھتے تو انہوں نے ان سے وصول شدہ جزیہ واپس کر دیا۔ جس کی معروف مثال حضرت ابو عبیدہ بن جراح کی ہے جنہوں نے حمص کے علاقے میں مقامی باشندوں کے دفاع کو ناممکن سمجھتے ہوئے ان سے حاصل شدہ رقم واپس کر دی۔ یہ رقم سات لاکھ درہم بیان کی جاتی ہے۔ اور مسلمان فوج جب ان علاقوں سے رخصت ہو رہی تھی تو مقامی لوگوں کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ لوگ دعا گو تھے الہی انہیں پھر ہمارے علاقے میں واپس لے آنا۔ جو عدل وانصاف ان میں ہمیں دیکھنے میں ملا اس کا مظاہرہ آج تک نہیں دیکھا۔

تاریخ اسلامی میں رواداری کی اس سے بھی زیادہ خوبصورت نظیر موجود ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اگر ریاست کے غیر مسلم باشندے ریاستی امور اور فوجی مہمات میں شرکت کرتے ہیں تو ان سے یہ معمولی ٹیکس بھی ختم کر دیا جائے۔ آرمینیا کے نواح میں مہمات کے دوران ایسا ہی ہوا اور وہاں کے بادشاہ نے اسلامی سربراہ سے مطالبہ کیا جس کے نتیجے میں جناب سراقہ نے حضرت عمر فاروقؓ کو مراسلہ ارسال کیا :

"ان یضع عمن معه الجزیۃعلی ان یقوموابھایریدہ منھم ضدعدوھم فقبل سراقۃوکتب سراقۃ الی ابن الخطاب واجازۃ وحسنۃ"(۲۰)

"کہ ان کا جزیہ معاف کر دیا جائے۔ وہ ان کے دشمن کے مقابلہ میں ان کے ساتھ شانہ بشانہ صف بستہ ہو کر کھڑے ہوں گے اور ان کے ساتھ جنگ کریں گے۔ سراقہ نے اس کا یہ مطالبہ

منظور کر لیا اور اس کی اطلاع حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب کی خدمت میں لکھ بھیجی۔ آپ نے اس کی منظوری بھی دے دی اور اس کی تحسین بھی کی"

آذربائی جان میں حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں جنگی فتوحات کا سلسلہ عروج پر تھا تو موقع پر وہاں کے باشندوں کو اسلامی ریاست کے حقوق عطا کرنے کیلئے جو معاہدہ ہوا اس کا متن ملاحظہ ہو :

"هذاما اعطى عتبة بن فرقد عامل عمر بن الخطاب امير المؤمنين آذربائيجان سهلها وجبلها وحواشيها واهل مللها كلهم الامان على انفسهم واموالهم وشرائعهم على ان يودوا الجزية على قدر طاقتهم --- ومن حشر منهم في سنة وضع عنه جزاء تلك السنة" (۲۱)

"یہ وہ صلح نامہ ہے جو عتبہ بن فرقد، جو امیر المؤمنین عمر بن خطاب کے نائب ہیں، آذربائیجان کے باشندوں کے ساتھ طے کیا کہ اس کے میدانی اور پہاڑی علاقوں میں اور بیرونی حدود کے ساتھ رہنے والے سب لوگوں کو امان دی جاتی ہے۔ ان کی جانوں، مالوں، ان کے مذہبی احکام کو اس شرط پر کہ وہ جزیہ ادا کریں گے اپنی استطاعت کے مطابق۔ اور ان میں سے جو شخص مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوگا۔ اس سال اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے گا"

خلفائے راشدین نے اپنے ادوار میں حکومتی کارندوں اور ریاستی اہلکاروں کو بطور خاص متنبہ کر رکھا تھا کہ کہیں بھی رواداری کے اسلامی تصورات کے برعکس کسی کے ساتھ سلوک نہ کیا جائے۔ اس ضمن میں حضرت علیؓ کا ایک مراسلہ جو انہوں نے اپنے عامل کو ارسال فرمایا :

"ان کے جاڑے، گرمی کے کپڑے، ان کے کھانے کا سامان اور ان کے جانور جن سے وہ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ خراج وصول کرنے کی خاطر ہرگز نہ لیں۔ نہ کسی کو درہم وصول کرنے کیلئے کوڑے مارنا۔ نہ کسی کو کھڑا رکھنے کی سزا دینا۔ نہ خراج کے عوض کسی چیز کا نیلام کرنا کیونکہ ہم جو ان کے حاکم بنائے گئے ہیں تو ہمارا کام نرمی سے وصول کرنا ہے۔ اگر تم نے میرے حکم کے خلاف کیا تو اللہ تعالیٰ میرے بجائے تم کو پکڑے گا اور اگر مجھے تمہاری خلاف ورزی کی خبر پہنچی تو میں تمہیں معزول کر دوں گا" (۲۲)

دنیا میں پہلی فلاحی ریاست دراصل اسلامی ریاست ہی تھی جس نے اپنے شہریوں اور باشندوں کو بلا امتیاز مذہب و نسل ایک نظام حکومت کے تحت وہ امن و سکون اور خیر خواہی عطا کی جسے شاید

آج کے اس متمدن دور میں بھی بنیادی حقوق کا دعوی کرنے والی ریاستیں اپنے شہریوں کو عطانہ کر سکیں۔اس ضمن میں کتاب الخراج میں امام ابو یوسفؒ کی یہ تحریر اس حوالے سے کتنی اہم ہے۔

"ایماشیخ ضعف عن العمل آواصابته آفة من الآفات اوکان غنیافافتقروصار اهل دینه یتصدقون علیه طرحت جزیته وعیل من بیت المال وعیاله ماااقام فی دارالاسلام"(۲۳)

"اگر کوئی بوڑھا کام کرنے کے قابل نہ رہے یا بدنی بیماری میں سے اسے کوئی بیماری لگ جائے یا پہلے وہ غنی تھا۔اب محتاج ہو گیا اور اس کے مذہب والے اس کو صدقہ اور خیرات دینے لگیں۔ان حالات میں اس سے جزیہ ساقط ہو جائے گا اور اس کا اور اس کے اہل و عیال کا خرچہ بیت المال سے ادا کیا جائے گا جب تک وہ اسلامی ریاست میں مقیم رہے"

اسی طرح خلافت فاروقی میں ایک بوڑھا ایک مکان کے دروازے پر بھیک مانگ رہا تھا۔خلیفہ وقت امیر المؤمنین چپکے سے گئے اور اس کا بازو پکڑ لیا اور اس سے بھیک مانگنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا کہ خود کمانے سے عاجز ہوں۔جزیہ ادا کرنے کیلئے اور ضروریات زندگی پورا کرنے کیلئے بھیک مانگ رہا ہوں۔آپ اس کو اپنے گھر لے گئے اور اس کی ضروریات فراہم کیں اور پھر بیت المال کے افسر کو بلایا اور اسے ہدایت کی:

"انظرهذاوضرباء ه فواللہ ماانعفناه ان آکلناشبیبته ثم نخذله عندالهرم انما الصدقات للفقراء والمساکین ووضع عنه الجزیة وضرباء ه"(۲۴)

"اس کا خیال رکھو اور اس جیسے جتنے لوگ ہیں' ان سب کا خیال رکھو۔بخدا ہم نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ ہم نے اس کی جوانی کی کمائی سے تو جزیہ وصول کیا۔اور جب بوڑھا ہو گیا تو ہم نے اسے نظر انداز کر دیا"

اسلام میں یہ احکام واضح اور کثرت سے مذکور ہیں کہ دیگر مذاہب کے لوگوں کیلئے درج ذیل سہولتوں کا بہر طور اہتمام کیا جائے۔

۱۔ ان کے گرجے اور خانقاہیں منہدم نہ کی جائیں۔

۲۔ نماز پنجگانہ کے سوا ہر وقت اپنا ناقوس بجا سکتے ہیں۔ان پر کوئی پابندی نہیں۔

۳۔ وہ شوق سے اپنی عید پر صلیب نکالیں۔(۲۵)

اسلامی ریاست میں جہاں غیر مسلم شہریوں کو کئی حقوق حاصل ہیں وہاں ان کے ذمہ کئی

فرائض بھی شامل ہیں مثلاً :

۱۔ اسلامی ریاست سے وفادار رہیں۔

۲۔ ان کا فرض ہے کہ ان پر عائد جزیہ اور دوسرے ٹیکس ادا کریں۔

۳۔ اسلامی ریاست میں ان چیزوں کے کھلے استعمال سے پرہیز کریں جو اسلامی تعلیم کے مطابق حرام قرار دی گئی ہیں اور جن سے اکثریت کی دل آزاری ہوتی ہو۔ وہ اپنی مخصوص جگہوں اور بستیوں میں اپنے رسم و رواج اور مذہبی عقائد کے مطابق عمل کر سکتے ہیں۔

۴۔ اسلامی ریاست کو مضبوط و مستحکم بنانے میں اپنا کردار ادا کریں اور ریاست کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھیں۔

۵۔ اسلامی ریاست میں فتنہ' فساد اور نا اتفاقی پیدا کرنے والی تمام حرکات سے خود کو باز رکھیں (۲۶)

ملک میں فرقہ وارانہ تشدد کے پیش نظر ائمہ مجتہدین اور فقہاء کرام کی "مسلکی رواداری" کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ وہ اختلاف کو مخالفت پر محمول نہیں کرتے تھے بلکہ اختلاف کو رحمت اور وسعت تصور کرتے اور اجتہاد پر اجر و ثواب کے امیدوار ہوتے تھے۔ وہ کسی کی تضلیل یا تکفیر نہیں کرتے تھے بلکہ ایک دوسرے کیلئے محبت اور ترحم کا اظہار کرتے تھے۔ امام شافعیؒ سے کسی نے پوچھا کہ کیا ہم مالکی المذہب امام کے پیچھے نماز ادا کر سکتے ہیں؟ یہ سن کر امام شافعیؒ لرز گئے اور فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں خود امام مالکؒ کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں۔" ہر چند کے ائمہ فقہاء کے مابین اجتہادی اختلافات ضرور تھے لیکن وہ کسی بھی مسلکِ علماء السنۃ کے مطابق ادا کئے گئے شرعی اعمال کے بطلان کے قائل نہ تھے' بلکہ ان میں تجوز' تسامح اور رواداری کا معاملہ تھا' اور تعصب و افتراق کا شائبہ تک نہ تھا۔ (۲۷)

حقوق انسانی' عدم تشدد' جمہوریت' امن' محبت' آزادی اور "رواداری" یہ ہیں وہ دلفریب اور خوبصورت نعرے جن کی تخلیق کا آج مغرب دعویدار ہے اور دنیا کو یہ تاثر دیا جارہا ہے کہ شاید موجودہ دور سے قبل دنیا ان تصورات سے آگاہ نہ تھی۔ جبکہ یہ وہ تعلیمات اور نظریات ہیں جو اسلامی ریاست میں آج سے چودہ سو سال قبل دنیا کو عطا کئے۔ لیکن آج یورپ ان نعروں کی آڑ میں دراصل اسلامی معاشرے کی تہذیب اور مذہبی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کے درپے ہے۔ مسلمانوں کی اپنے دین سے محبت اور عقائد میں راسخ ہونے کے سبب ان کو بنیاد پرستی کے طعنوں

سے اس لئے نوازا جاتا ہے کہ کم فہم اور کوتاہ بین مفکرین دین سے محبت کو "رواداری" کے بالکل برعکس جانتے ہیں۔ رواداری اس چیز کا نام نہیں کہ اسلام اغیار کی خواہشات اور ان کے تیار کردہ سانچوں میں خود ڈھلتا چلا جائے اور یہاں تک کہ اپنا تشخص بھی گنوا بیٹھے جیسا کہ لادینیت اور "سیکولرازم" کی وبا اس وقت پھیل رہی ہے۔ "رواداری" کی آڑ میں دینی غیرت وحمیت کا خاتمہ۔ کفر وشرک کی خباثت اور نجاست کا عام ہونا۔ شرک وبدعت کا رواج اور الحاد کا فروغ پا جانا یہ رواداری نہیں اور نہ ہی اسلام ایسی رواداری کا درس دیتا ہے۔ برصغیر میں اکبر اعظم نے جب ایسی ہی "رواداری" کی آڑ میں اسلام کے تشخص کو تباہ کرنے کی کوشش کی اور "دین الٰہی" کے نام سے ایک نئے فتنے کو جنم دیا اور کہا گیا کہ گائے کا گوشت حرام ہے۔ سود، جوا اور شراب نوشی حلال ہے۔ خنزیر پر مقدس جانور سمجھا جانے لگا اور اسلامی شعائر کا مذاق کھلے عام اڑایا جانے لگا۔ تو اس موقع پر شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی نے آگے بڑھ کر اس فتنہ کا قلع قمع کیا۔

بقول اقبالؒ ؎

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جن کو خبردار

اسلام تو افراد اور اقوام کی صلاح وفلاح کیلئے وہ عظیم منشور اپنے پہلو میں لئے ہوئے ہے جس سے دنیا نیکی اور محبت کے عنوان اپنا کر سراپا خیر اور امن بن جائے۔

"اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡھُمۡ بِالَّتِیۡ ھِیَ اَحۡسَنُ" (۲۸)

"بلائیے (لوگوں کو) اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے اور ان سے بحث (مناظرہ) اس انداز سے کیجئے کہ بڑا پسندیدہ اور شائستہ ہو"

حوالہ جات

۱۔ القرآن الکریم ۶: ۱۰۸

۲۔ القرآن الکریم ۴۲: ۱۳

۳۔ القرآن الکریم ۲: ۲۵۶

۴۔ السیوطی: الجامع الصغیر، جلد ۲، ص ۱۱

۵۔ العلامہ احمد بن علی المقریزی: امتاع الاسماع بالرسول من الانباء والاموال والحفدة والمتاع" القاہرہ، دارالانصار، ۱۹۸۹ء ج ۱، ص ۲۲۷

۶۔ ایضاً

۷۔ محمد عزہ دروزہ: تاریخ بنی اسرائیل فی اسفارہم، بیروت، منشورات المکتبة العصریة ۱۹۶۹ء، ص ٤٥٥

۸۔ ابن ہشام: السیرة النبویة: حجازی، القاہرہ۔ ۱۹۳۸ء جلد ۲، ص ۱۹۳

۹۔ ابن قیم الجوزیہ: زادالمعادفی ہدی خیرالعباد، بیروت موسسة الرسالة، ۱۹۸۵ء جلد ۳، ص ۶۳۰ وامام محمدابوزہرہ: خاتم النبین قاہرہ دارالفکرالعربی جلد ۲ ص ۱۱۲۹

۱۰۔ احمدبن زینی دحلان: السیرةالنبویہ، مطبوعہ بیروت، المطبعہ الاہلیہ، ۱۹۸۳ء جلد ۳، ص ۲٤۰

۱۱۔ امام محمدابوزہرہ: خاتم النبین، قاہرہ، دارالفکرالعربی، جلد ۲، ص ۵۸۵

۱۲۔ الامام البخاری: صحیح البخاری، باب الخطبة ایام منی، ج ۱، ص ۲۳٤

۱۳۔ الامام محمدبن محمود البابرقی: العنایة شرح الهدایة: القاہرہ التجاریہ الکبری، جلد ۸، ص ۲۵۶

۱۴۔ الامام ابویوسف یعقوب بن ابراهیم: کتاب الخراج" القاہرہ المطبعہ المکتبةالسلفیہ ۱۳۱۶ھ، ص ۱۵۰

۱۵۔ ابویعلی محمدبن الحسین القراالحنبلی. الاحکام السلطانیة، انڈونیشیامکتبہ احمد بن سعد۔ ۱۹۷٤ء، ص ۱۵٤

۱۶۔ الامام ابویوسف یعقوب بن ابراھیم:کتاب الخراج'القاھرہ المطبعہ السلفیہ١٣١٦ھ'ص١٤٦

۱۷۔ پروفیسر ٹی۔ڈبلیو آرنلڈ The preaching of islam(اردو ترجمہ)دعوت اسلام۔ مترجم شیخ عنایت اللہ مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب۔۲۔۱۹۷ء۔ص۶۰

۱۸۔ ابوجعفرمحمدبن جریرالطبری:تاریخ الامم والملوک۔ القاھرہ المطبعۃ الاستقامہ١٩٣٩ء'ج٤'ص١٦

۱۹۔ الامام ابویوسف یعقوب بن ابراھیم:کتاب الخراج'القاھرہ المطبعہ السلفیہ١٣١٦ھ'ص١٦٥

۲۰۔ ابوجعفرمحمدبن جریرالطبری:تاریخ الامم والملوک۔ القاھرہ المطبعۃ الاستقامہ١٩٣٩ء'ج٥'ص٢٥٦

۲۱۔ ابوجعفرمحمدبن جریرالطبری:تاریخ الامم والملوک۔ القاھرہ المطبعۃ الاستقامہ١٩٣٩ء'ج٥'ص٢٥٠

۲۲۔ الامام ابویوسف یعقوب بن ابراھیم:کتاب الخراج'القاھرہ المطبعہ السلفیہ١٣١٦ھ'ص١٨

۲۳۔ الامام ابویوسف یعقوب بن ابراھیم:کتاب الخراج''القاھرہ المطبعہ السلفیہ١٣١٦ھ'ص١٦٤

۲۴۔ الامام ابویوسف یعقوب بن ابراھیم:کتاب الخراج'القاھرہ المطبعہ السلفیہ١٣١٦ھ'ص١٦٤

۲۵۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ:الوثائق السیاسۃ لعھدالنبوی والخلافۃ الراشدہ'دارالنفائس'بیروت١٩٨٧ء'ص٣٨٧

۲۶۔ سردار مسیح گل : قرآن وسنت کی روشنی میں اقلیتوں کے حقوق'ص۱۲۸'۱۲۹ تجلی میڈیا فاؤنڈیشن'لاہور۔

۲۷۔ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین:الارشادشرح لمعۃ الاعتقاد لابن قدامہ ص٣٦٨تا٣٧١(باختصار)دارطیبہ الریاض

۲۸۔ الایۃ کریمہ ١٢٥:١٦